جناب ضیاء الدین لاہوری

سرسیدؒ اور کانگرس میں کشمکش کا پس منظر

"اسباب سرکشی ہندوستان کا جواب مضمون" مطبوعہ ۱۸۵۹ء سرسید احمد خان کی اولین تصنیف ہے جس میں انہوں نے سیاست ہند کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو کی۔ اسباب بغاوت ہند پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانیوں کی عدم شرکت کو "ہندوستان کے فساد کی جڑ" اور بقیہ تمام اسباب کو اس کی "شاخیں" قرار دیا۔[۱] یہ وہ زمانہ تھا جب ۱۸۵۷ء میں ہونے والی تباہی و بربادی اور بعد میں انگریزوں کی انتقامی کارروائیوں نے اہل ہند کے دلوں پر خوف کی ایک کیفیت طاری کر رکھی تھی۔ اپنے مضمون میں انہوں نے حکمرانی کے ضمن میں سرکاری خامیوں کی نشان دہی کرتے ہوئے لکھا۔

"اس میں کچھ شک نہیں کہ رعایا کے حالات اور عادات اور خیالات اور اوضاع اور اطوار اور طبیعت اور طینت اور لیاقت کے دریافت کرنے میں توجہ نہیں کی بلاشبہ ہماری گورنمنٹ کو نہیں معلوم تھا کہ ہماری رعیت پر دن کیسے گذرتا ہے اور رات کس مصیبت کی آتی ہے اور وہ دن بدن کس غم اور مصیبت میں پڑتے جاتے ہیں۔ اور کیا کیا رنج روز بروز ان کے دل میں جمتے جاتے ہیں۔ جو رفتہ رفتہ بہت کثرت سے جمع ہو گئے تھے اور ایک ادنیٰ تحریک سے دفعتہً بہ پڑے۔ لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانیوں کے شریک نہ ہونے سے صرف اتنا ہی نقصان نہیں ہوا کہ گورنمنٹ کو اصلی مضرت قوانین اور ضوابط کے جو جاری ہوئے، بخوبی معلوم نہیں ہو سکے...... بلکہ بہت بڑا نقصان یہ ہوا کہ رعایا کو منشا اور اصلی مطلب اور دلی ارادہ

---

[۱] اسباب سرکشی ہندوستان۔ صفحہ ۱۰

گورنمنٹ کو معلوم نہ ہوا۔ گورنمنٹ کی ہر تجویز پر رعایا کو غلط فہمی ہوئی۔ جو تجویز گورنمنٹ کی ہوتی تھی ہندوستانیوں کو بہ سبب اس کے کہ وہ لوگ اس میں شریک نہ تھے اور رہنما اور علم اس تجویز سے واقف نہ تھے اس کی بنیاد معلوم نہ ہوئی اور ہمیشہ یہی سمجھے کہ یہ بات بھی ہمارے اور ہمارے ہم وطنوں کے خراب اور برباد اور ذلیل اور بے دھرم کرنے کو ہے۔۔۔۔۔ اور جب کہ ہماری گورنمنٹ درحقیقت ایسی نہ تھی تو ان غلط خیالات کا ہندوستانیوں کے دل میں جمنا اور جو رنج کہ ان کے دل پر تھا اس کا علاج نہ ہونا صرف اسی سبب سے تھا کہ لیجسلیٹو کونسل میں ہندوستانی شریک نہ تھے۔"[1]

چند سال بعد بغاوت کی تلخیوں کے اثرات ذرا کم ہوئے تو ۱۸۶۴ء میں سرسید نے ایک مجلس میں یہ پیشین گوئی کرتے ہوئے بڑی خوشی کا اظہار کیا کہ " وہ دن کچھ دور نہیں ہے کہ ہر ضلع میں سے ایک شخص کا کونسل میں داخل ضرور ہوگا۔ وہ دن آئے گا کہ تم خود ہی قانون بناؤ گے اور خود ہی اس پر عمل کرو گے۔"[2] پھر انہوں نے عوام اور حکام میں رابطہ کے کام کی خود ہی ابتداء کی۔ کونسل کے باہر سے گورنمنٹ کے کانوں تک رعایا کی آواز پہنچانے کے لئے ۱۸۶۶ء میں ایک تنظیم "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم کی۔ علی گڑھ میں منعقدہ ایک اجلاس میں اس کی تجویز پیش کرتے ہوئے انہوں نے بڑی جرأت مندانہ لہجے میں کہا:۔

" میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے دل میں خوف ہے کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری ان باتوں سے ہمارے حکام ضلع جن کے ہاتھ میں ہماری جان اور مال اور عزت ہے، ہم سے ناراض ہو جائیں، گورنمنٹ ہم کو برا اور غیر مطیع نہ سمجھنے لگے اور کہیں گورنمنٹ کے نزدیک ہم مجرم نہ ٹھہریں مگر یہ سب تمہاری غلطی اور خام خیالی ہے۔۔۔۔۔ تم کیوں اتنا ڈرتے ہو؟ تم مجھ پر خیال کرو کہ میں بھی مثل تمہارے گورنمنٹ کی ایک ادنیٰ رعیت میں سے ہوں، بلکہ مجھ پر ایک اور زیادہ اطاعت گورنمنٹ کا بوجھ ہے کہ میں نوکر بھی گورنمنٹ کا ہوں مگر دیکھو! اس عام مجلس میں کیسی اعلانیہ گفتگو کر رہا ہوں۔ تم کو معلوم ہے کہ ایام مفسدہ میں گورنمنٹ نے میرا خوب امتحان کر لیا ہے کہ میں کیسا گورنمنٹ کا خیر خواہ ہوں۔"[3]

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ امتحانِ اطاعت و خیر خواہی میں سرسید کی کامیابی اور سرخروئی ہی دراصل

---

[1] اسباب سرکشی ہندوستان صد ۱۶، [2] مکمل مجموعہ لکچرز سرسید صد ۱۸

ان کی اس اعلانیہ دلیری کا سبب تھا ورنہ کسی سرکاری ملازم کو کیسے جرأت ہو سکتی تھی کہ کھلے بندوں غلام رعایا کو وقت کی عظیم ترین طاقت انگریز حاکموں سے نہ ڈرنے کا مشورہ دے سکے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کی پرخلوص خدمات کے صلے میں وہ دو نسلوں تک کے لئے دو سو روپیہ ماہوار پنشن کے حقدار قرار پا چکے تھے۔ لبرل انگریز افسروں کا ایک بااثر طبقہ جس کی حفاظت سرسید نے اپنی جان کو داؤ پر لگا کر کی تھی، انہیں کسی قسم کی گزند پہنچنے سے محفوظ رکھنے کا نہ صرف ذمہ دار تھا بلکہ ہندوستان میں بہتر طور پر انگریزی حکومت قائم رکھنے کے طریق کار سے متعلق سرسید درحقیقت اسی طبقہ کی ترجمانی کے فرائض انجام دے رہے تھے۔ سرسید نے ایک بہت بڑے لبرل کے انداز میں عوام کو ڈر اور خوف کو بالائے طاق رکھ کر اپنے حقوق کی جدوجہد کی تلقین کرتے ہوئے کہا۔

"میں تم کو اس عام مجلس میں سمجھاتا ہوں کہ تم اپنے بے ہودہ خیالات اور اوہام کا مطلق ڈر مت کرو۔ گورنمنٹ کی طرف سے بیباک دل رہو اور اس پر سب طرح کا بھروسہ رکھو اور بے دھڑک اپنی تمام اغراض اور اپنی تمام ناراضیوں کو گورنمنٹ کے سامنے پیش کرو۔ اور اپنے حقوق پر گورنمنٹ سے بخوبی بے دھڑک ہو کر جھگڑو کہ یہ باتیں عین خیرخواہی اپنی گورنمنٹ کی ہیں"۔[1]

بالآخر وہ وقت بھی آیا جب ان کا کونسل میں شرکت کا خواب پورا ہوا۔ ۱۸۷۸ء میں اول وائسرائے لارڈ لٹن نے اور بعد ازاں وائسرائے لارڈ رپن نے سرسید کو لیجسلیٹو کونسل کا ممبر نامزد کیا۔ انہوں نے چار سال تک اپنے فرائض بڑی محنت اور جاں فشانی سے انجام دئے۔ اس سے ان کا سیاسی کیریئر مزید مستحکم ہوا۔

پھر ہندوستان میں ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جس میں اہل ہند کے سیاسی حقوق کی باتیں کھلے عام ہونے لگیں۔ ۱۸۸۵ء میں ایک انگریز مسٹر ہیوم نے "انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلہ میں اس نے متعدد افراد سے رابطہ قائم کیا۔ مگر سرسید نے "جواب میں واضح طور پر لکھ دیا کہ میں اس کے خلاف ہوں"۔[2] کانگریس نے اپنے جلسوں میں ایسے مطالبات پیش کئے جن سے سرسید متفق نہ تھے۔ بلکہ وہ ان کے لئے سخت ناگواری کا باعث ہوئے۔ نوزائیدہ کانگریس میں اس وقت تک ایسے تعصبات کا مظاہرہ دیکھنے میں نہیں آیا تھا جس سے اس پر ہندو جماعت ہونے کا الزام عائد کیا جا سکتا۔ مگر چونکہ ملک میں ہندوؤں کی اکثریت تھی اس لئے ظاہر ہے کہ ملکی سطح پر قائم کی جانے والی اس جماعت میں ہندو ارکان کی تعداد مسلمانوں کی

---

[1] مکمل مجموعہ لکچرز سرسید ص ۲۷۶، ۲۷۷ [2] پائینیر الہ آباد ۱۰ نومبر ۱۸۸۸ء بحوالہ سرسید احمد خان، سیاسی مطالعہ ص ۲۳۰

نسبت زیادہ تھی۔ آہستہ آہستہ کانگرس کے روز افزوں مطالبات سے سر سید کا پیمانہ صبر لبریز ہونے لگا تو انہوں نے پہلے ۲۸ دسمبر ۱۸۸۷ء کو لکھنؤ میں اور پھر ۱۶ مارچ ۱۸۸۸ء کو میرٹھ میں کانگرس کے خلاف ایسی زبردست تقریریں کیں جو فی الحقیقت کانگرس کے ایوانوں میں زلزلہ کا باعث ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اپنی تحریروں کے ذریعہ کانگرس کے خلاف پُر زور مہم شروع کر دی۔

سر سید نے مسلمانوں کو خاص طور پہ کانگرس سے الگ رہنے کا مشورہ دیا۔ کانگرس نے وائسرائے کی کونسل میں نامزدگی کی بجائے الیکشن کا طریقہ اپنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس کی مخالفت کرتے ہوئے انہوں نے اسے مسلمانوں کے لئے بظاہر یوں ضرر رساں قرار دیا کہ "کوئی طریقہ بھی الیکشن کا اختیار کرو ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں سے چوگنی ہوگی اور جو ان کی خواہشیں ہیں۔ تمام پوری ہوں گی"[۱] "مگر جب اس موضوع پر ان کے تمام خیالات کو مدنظر رکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہیں اصل دکھ اس بات پہ تھا کہ:۔

"جس طرح کہ نیشنل کانگرس کی کارروائی ہوتی ہے اور پولیٹکل مباحثوں کے لئے جا بجا مجلسیں کی جاتی ہیں اور عام لوگوں کو بتایا جاتا ہے کہ گورنمنٹ رعایا کے واجبی حقوق ادا نہیں کرتی اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نالائق اور جاہل آدمیوں کے دل میں بھی یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت ظالم یا کم از کم نا منصف ہے"[۲]

ہمارے دانشوروں کی ایک قابلِ ذکر صفت یہ ہے کہ وہ اس امر میں سر سید کے بیانات کے صرف ان حقوق کے حوالے پیش کرتے ہیں جن میں بظاہر مسلمانوں کی وکالت نظر آئے مگر بنیادی باتوں کا ذکر گول کر جاتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس زمانے میں سر سید انگریزوں کی اطاعت و فرماں برداری کے معاملے میں اس قدر حساس ہو گئے تھے کہ ان کی حکومت کے خلاف کسی قسم کی بات سننا گوارا نہ کرتے تھے۔ کانگرس کے خلاف ان کی تحریک میں یہ جذبہ پوری شدت کے ساتھ کارفرما نظر آتا ہے ورنہ مسٹر ہیوم کو نہایت تعجب سے یہ کہنا پڑتا کہ "مجھ کو نیشنل کانگرس کا خیال صرف سید احمد کی کتاب "اسباب بغاوت" کو دیکھ کر پیدا ہوا تھا مگر میں نہیں جانتا کہ اب اس کو کیا ہو گیا"[۳]

اس کشمکش میں سر سید لفظ کانگرس سے ہی بددل ہو گئے۔ کہ انہوں نے بعد میں ایک موقع پر اپنی تعلیمی مجلس محمڈن ایجوکیشنل کانگرس کے نام میں لفظ "کانگرس" اس بنیاد پہ "کانفرنس" سے بدل دیا کہ ان کی اس مجلس تعلیمی کو "کسی قسم کے پولیٹکل امور سے علاقہ نہیں"[۴]

---

[۱] دی پریزیڈنٹ سپیچ آف انڈین پالٹکس ص ۱۷ [۲] ایضاً ص ۶۲ [۳] حیات جاوید حصہ دوم ص ۳۴۹ [۴] مکمل مجموعہ لکچرز سر سید ص ۴۵۸۔

عبرت کی بات ہے کہ وہ شخص جو چھبیس سال قبل رعایا کو اپنے حقوق پر حکومت سے بے دھڑک ہو کر جھگڑنے اور اس بارے میں حکمرانوں کی ناراضگی کے اوہام کو دل میں نہ لانے کی تلقین کرتا تھا اب وہ سن ستاون کی مثالیں دے دے کر انہیں اسی حکومت کی قوت اور ناراضگی سے ڈرانے لگا۔ کانگرس کے مطالبات یا درخواستوں کا ذکر کرتے ہوئے سر سید نے کہا:۔

"نتیجہ ان ناشدنی اور ناممکن درخواستوں کا بجز اس کے کچھ نہیں کہ ایک بے ہودہ بات سے تمام لوگوں کے دلوں کو گورنمنٹ سے ناراض کریں اور تمام لوگوں کو یقین دلائیں کہ گورنمنٹ ہم پر ظالمانہ حکومت کرتی ہے۔ اور ہم گورنمنٹ سے جو کچھ مانگتے ہیں نہیں دیتی اور اس سے لوگوں میں ناراضی اور جوش پھیلائیں اور ملک میں بدامنی ہو........ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ غدر میں کیا حالت تھی؟ نہایت مشکل وقت تھا، اس کی فوج بگڑ گئی تھی۔ چند بدمعاش ساتھ ہو گئے تھے اور گورنمنٹ نے اپنی غلطی سے یہ سمجھ لیا تھا کہ رعایا باغی ہے۔ اور میں وہ شخص ہوں کہ جس نے گورنمنٹ کی اس غلطی کا مقابلہ کیا اور اس وقت، جب گورنمنٹ کے اہل کار پھانسیاں دیتے تھے، میں نے رسالہ چھاپا اور گورنمنٹ سے کہا کہ رعایا کو باغی سمجھنا بالکل نادانی ہے۔ لیکن باایں ہمہ گورنمنٹ کا بغاوت نے کیا کر لیا؟ ایک گورا ولایت سے ہندوستان میں قدم نہیں رکھنے پایا تھا کہ اس سرے سے اُس سرے تک صاف ہو گیا اور امن ہو گیا۔ پس کیا اس سے فائدہ ملک کا متصور ہے اور کیا کوئی انقلاب ہم سلطنت میں پیدا کر سکتے ہیں بجز بے ہودہ غل کرنے کے۔ اور گورنمنٹ کے مشکوک کرنے کے اور جو صفائی ہوتی جاتی ہے اس کو مکدر کرنے کے، اور اس وقت کو جواب سے تیس انتیس برس پیشتر تھا پھر لانے کے؟...... لوگ آئرلینڈ کی مثال دیتے ہیں... ذرا مجھ کو بھی مہربانی سے ہندوستان میں دس آدمی نکال دیجئے جو سنگینوں کے سامنے آنا قبول کریں۔ جب یہ نہیں ہے تو کیسا یہ غل ہے[1]"

"انصاف کرو کہ گورنمنٹ کی عملداری کو کے دن ہوئے؟ اور وہ صدمہ جو گورنمنٹ کو پہنچا، گو جاہلوں سے تھا اور رئیسوں سے نہ تھا، اس کو بتلایئے کہ کے دن ہوئے[2]"

---

[1] مکمل مجموعہ لیکچرز سر سید ص ۳۵۴، ۳۵۵　[2] ایضاً ص ۳۵۸

"غدر میں کیا ہوا؟ ہندوؤں نے شروع کیا، مسلمان دل جلے تھے وہ بیچ میں کود پڑے
ہندو تو گنگا نہا کر جیسے تھے ویسے ہی ہو گئے مگر مسلمان اور مسلمانوں کے خاندان تباہ و
برباد ہو گئے۔ یہی نتیجہ پولیٹیکل ایجی ٹیشن میں مسلمانوں کے شریک ہونے سے حاصل ہوگا۔"[1]

کانگریس کے خلاف اپنی مشہور تقریروں میں سرسید نے ہندوؤں کی تعدادی اکثریت کے حوالے سے مسلمانوں کے لئے الیکشن کو جس طرح نقصان دہ بنایا وہ جواز بلاشبہ بڑا متاثر کرنے والا تھا۔ مگر جس چیز پر انہوں نے بنیادی طور پر زور دیا وہ انگریزی حکومت کے حق میں ان کا فلسفۂ اطاعت و فرماں برداری تھا۔ بلکہ ان کی تقریروں کا بیشتر حصہ اسی ذکر سے معمور ہے۔ صرف میرٹھ کی تقریر سے درج ذیل حوالہ جات ان کی کوششوں کا اصل پس منظر اجاگر کرتے ہیں:

"...... لازم آتا ہے کہ ہندوستان کے امن کے لئے اور ملک میں ہر چیز کی ترقی کے لئے انگلش گورنمنٹ کا بہت دنوں تک بلکہ ہمیشہ کے لئے، رہنا ضروری ہے
...... تم دنیا کی کسی تاریخ میں بتا سکتے ہو کہ کبھی ایسا ہوا ہے کہ ایک غیر قوم کسی ملک کو فتح کرنے کے بعد اس ملک پر حکومت کرتی ہو اور مفتوح ملک والوں کو ریپریزنٹیٹو گورنمنٹ دی گئی ہو؟ کبھی ایسا نہیں ہوا، بلکہ جس نے ہم کو فتح کیا ہے اس کو ہم اپنی حکومت کا قائم رکھنا ضروری ہے۔"[2]

انگریزوں نے ہندوستان کو اور اس کے ساتھ ہم کو فتح کر لیا ہے اور جس طرح ہم (مسلمانوں) نے اس ملک کو تابع دار یا غلام بنایا تھا اسی طرح انہوں نے ہم کو بھی تابع دار یا غلام بنا لیا ہے۔ پھر کیا یہ اصول سلطنت کے مطابق ہے کہ وہ ہم سے پوچھیں کہ ہم برہما جا کر لڑیں یا نہ لڑیں؟ ایسا کبھی ہوا ہے؟ اور سلطنت کا کوئی اصول اس کے موافق ہے؟"[3]

"جب یہ امر طے ہو گیا کہ ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ کی حکومت ضرور ہے تو ہندوستان کے لئے یہی مفید ہے کہ اس کی حکومت نہایت استحکام سے ہندوستان میں قائم رہے۔ اور گورنمنٹ کے لئے یہی مفید ہے کہ وہ اپنے استحکام کے لئے جس قدر مناسب سمجھے فوج رکھے۔"[4]

"تم اس قوم کے ساتھ ناانصافی نہ کرو جو تم پر حکومت کرتی ہے اور پھر اس کے ساتھ غور

---

[1] دی پریذیڈنٹ سیڈ اے آف انڈین پالیٹکس صہ ۶۲ [2] مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید صہ ۳۶۷ [3] ایضاً صہ ۳۶۸ [4] ایضاً صہ ۳۷۰

کردو کہ وہ کس ایمانداری سے حکومت کرتی ہے جس خوبی سے انگلش گورنمنٹ نے
غیر قوم پر حکومت کی ہے دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ تم دیکھتے ہو کہ
قانون نے کس قدر آزادی دی ہے اور کس قدر حقوق کی حفاظت کی ہے۔" [۱]

"قرآن شریف ہماری ہدایت کے لئے موجود ہے جس نے ہم کو اُن کا اور ان
کو ہمارا دوست بنایا ہے۔ اب خدا نے اُن کو ہم پر حاکم کیا ہے۔ پس ہم ان
سے دوستی کریں اور وہ طریقے اختیار کریں جس میں ان کی حکومت کو ہندوستان میں
استقلال اور استحکام رہے اور بنگالیوں کے ہاتھ میں نہ جائے۔ یہی ہماری دوستی
ہمارے عیسائی حاکموں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ ہم کو گڑھے میں دھکیلنا چاہتے
ہیں ان کے ساتھ شریک نہ ہوں...... ہم کو جو کچھ اپنی بھلائی کی توقع ہے وہ
انگریزوں سے ہے۔ بنگالی ہماری قوم کے لئے کچھ بھلائی نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید
بھی انہی سے دوستی کی ہدایت کرتا ہے۔ تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ ہم ان کے دوست
اور وفادار نہ ہوں بلکہ ہم کو لازم ہے کہ جو کچھ خدا نے کہا ہے ہم اس کی تعمیل کریں
اس کے علاوہ خدا نے اُن کو ہم پر حاکم مقرر کیا ہے۔ ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ اگر تم پر حبشی غلام حاکم ہو تو اس کی بھی اطاعت کرو۔ دیکھو،
اس وقت ایک یورپین مسٹر بیک مجلس میں موجود ہیں وہ تو کالے نہیں ہیں بہت
گورے ہیں۔ تو ہم ان گورے منہ والوں کو، جن کو خدا نے ہم پر حاکم کیا ہے کیوں
نہ اطاعت اور وفاداری کریں اور خدا کا حکم بجا لائیں۔" [۲]

"تمہارے اوپر ان کو خدا نے حاکم کر دیا ہے، یہ خدا کی مرضی ہے ہمیں خدا کی
مرضی پر شاکر رہنا اور خدا کے حکم کی اطاعت کر کے ان کا دوست اور وفادار
رہنا چاہیئے، نہ یہ کہ ان پر بے جا الزامات لگائیں اور دشمنی پیدا کریں۔ یہ نہ
عقلمندی کا کام ہے اور نہ ہمارے پاک مذہب کی ہدایت ہے۔" [۳]

مندرجہ بالا حوالہ جات سرسید کے اس ذہن کی عکاسی کرتے ہیں جو مسلمانوں کی بھلائی کے نام پر کانگریس
کی مخالفت میں پیش پیش تھا۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ اگر مسلم لیگ ان کی زندگی میں قائم ہو کر

---

[۱] مکمل مجموعہ لیکچرز سرسید ص ۳۰۲ [۲] ایضاً ص ۳۰۴ [۳] ایضاً ۳۰۵

رعایا کے حقوق اور آزادی کا مطالبہ کرتی تو وہ انہی جوازات کی روشنی میں اسی شدت کے ساتھ مطالبہ پاکستان کی مخالفت کرتے ۔ مزید برآں اگر ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ہندوؤں کی بہ نسبت کہیں زیادہ ہوتی تو بھی ان کا نقطہ نظر یہی ہوتا ۔ کیونکہ مکمل آزادی تو بہت دور کی بات ہے وہ غلام قوم کو نمائندہ حکومت دینے کے اصول کے ہی مخالف تھے ۔ اس کے علاوہ اپنے سابقہ خیالات کے برعکس اسے نہ صرف قانون سازی اور رائے دینے کی حقدار سمجھنے سے گریزاں ہو چکے تھے بلکہ حکومت سے شکوہ شکایت کو خدا کی حکم عدولی کے زمرے میں شمار کرنے لگتے تھے ۔

کیا کانگرس کی مخالفت میں سرسید کی تحریک کا مقصد مسلمانوں کو ہندو قوم سے الگ رکھ کر اپنے طور پر جدوجہد کرنا تھا؟ سرسید کے عملی اقدامات اس کی واضح تردید کرتے ہیں ۔ اس کا سب سے بڑا ثبوت "انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن" کا قیام ہے ۔ جس کی بنیاد انہوں نے محض کانگرس کی مخالفت میں ہندوؤں سے مل کر رکھی ۔ اس سلسلہ میں انہوں نے سورخہ ۸ راگست ۱۸۸۸ء کو پاینیر الہ آباد میں جو اعلان شائع کروایا اس کی چند سطور ملاحظہ ہوں ۔

"مناسب ہے کہ ہندو اور مسلمان جو کانگرس کے خلاف ہیں ان کی ایک ایسوسی ایشن بنائی جائے ۔ اس کا نام انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن ہو ...... ہندو مسلمانوں کے علاوہ اگر کوئی انگریز ایسوسی ایشن کا رکن بننا چاہے تو ہم اس کی اعانت کے ممنون ہوں گے .... رکنیت کے خواہاں اصحاب اپنے نام یا تو منشی امتیاز علی یا منشی نول کشور لکھنؤ یا راجہ شیو پرشاد بنارس یا سید ظہور حسین وکیل ہائیکورٹ الہ آباد یا مسٹر تھیوڈور بیک یا راقم کے نام علی گڑھ بھیج دیں" [1]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ جہاں کانگرس کی بنیاد ایک انگریز نے رکھی وہاں ایک انگریز ہی اس کے خلاف تحریک کا روح رواں تھا ۔ اپنے دوست کرنل گراہم کے نام ایک مکتوب میں سرسید لکھتے ہیں ۔

"میں نے نام نہاد کانگرس کے خلاف ایک بھاری کام کا بیڑہ اٹھایا ہے اور انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی ہے جس کا کام دوسرے تمام کاموں کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے اور مجھے آپ کو یہ بتاتے ہوئے خوشی ہوتی ہے کہ مسٹر بیک اس معاملے میں میری بہت زیادہ معاونت کرتے ہیں ۔ وگرنہ ہمارے لئے اس کام آگے بڑھانا

---

[1] رائٹنگز اینڈ سپیچز آف سرسید احمد خان صہ ۲۴۵ ،

نہ صرف انتہائی مشکل بلکہ ناممکن ہوتا۔" [1]

دراصل ہندوستان میں موجود انگریز اپنے ملک کی مانند مختلف مکاتیب فکر سے تعلق رکھتے تھے۔ مسٹر ہیوم لبرل خیالات کے حامل تھے جب کہ علی گڑھ کالج کے پرنسپل مسٹر بیک کا تعلق قدامت پسند (کنزرویٹو) طبقے سے تھا، لہذا ہم قوم ہونے کے باوجود ان کا فکری اختلاف ایک قدرتی امر تھا۔ پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کے پلیٹ فارم سے کانگریس کی مؤثر مخالفت سرسید کے اپنے الفاظ میں مسٹر بیک کے تعاون کے بغیر ممکن نہ تھی۔ بعد ازاں ایسوسی ایشن کو مزید وسعت دی گئی اور سرسید نے مندرجہ ذیل اعلامیہ جاری کیا۔

"ہندوستان کی تمام اقوام — سکھ، ہندو اور مسلمانوں کے ذی اثر اور ذی مقتدر حضرات انڈین نیشنل کانگریس کے حامیوں کے اغراض و مقاصد کے مخالف ہیں اور ایسوسی ایشن بہ معروف انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن کو تسلیم کرتے ہیں۔ لہذا یہ مناسب سمجھا گیا ہے کہ اس کے نام میں "یونائیٹڈ" کا اضافہ کر دیا جائے تاکہ اس سے واضح ہو کہ یہ ایسوسی ایشن ہندوستان کی تمام قوموں کے ارکان کے متحدہ عمل سے تشکیل دی گئی ہے۔" [2]

ان واضح اعلان کے باوجود سرسید نے اپنی بعض تحریروں کے ذریعہ اپنی قوم میں اسے ہندوؤں کے مقابلے میں مسلمانوں کی جماعت ہونے کا تاثر دیا۔ وہ جامع مسجد دہلی کے امام سید محمد بخاری کے نام اپنے مکتوب محررہ ۲۵ راگست ۱۸۸۸ء میں لکھتے ہیں:۔

"جو ایسوسی برخلاف ہندوؤں کے ہم نے قائم کی ہے۔ اور اس میں تمہارا شریک ہونا نہایت ضرور اور مناسب ہے...... تم خود جناب مولوی نذیر حسین صاحب کے پاس جاؤ اور میری طرف سے بعد سلام علیک یہ پیغام دو کہ مسلمانوں کی دینی بھلائی کو تو بلا شبہ جناب ممدوح مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں مگر مسلمانوں کی دنیوی بھلائی کو جناب ممدوح سے میں بہت زیادہ بہتر سمجھتا ہوں اور بہ نظر مسلمانوں کی بھلائی کے میں ضرور اور مناسب سمجھتا ہوں کہ جناب ممدوح کا نام نامی اس ایسوسی ایشن کے ممبروں میں داخل کیا جائے۔" [3]

---

[1] دی لائف اینڈ ورک آف سرسید احمد خان ص ۲۷۳

[2] رائٹنگز اینڈ سپیچز آف سرسید احمد خان ص ۱۰۹

اس دوران میں سرسید کی تحریک پر ملک کے بہت سے شہروں میں انجمن ہائے اسلامیہ قائم ہوئیں۔ سرسید نے ایسوسی ایشن کی جانب سے اسلامی انجمنوں کو ایک سرکلر جاری کیا جس میں کانگرس کے اغراض و مقاصد سے بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان سے اپیل کی کہ جو انجمن ایسوسی ایشن کے مقاصد سے متفق ہو وہ ان سے رابطہ قائم کرے تاکہ "اس انجمن کا نام ہم اپنی ایسوسی ایشن کی اس فہرست میں مندرج کریں جس میں بتایا جائے گا کہ کس قدر انجمن ہائے اسلامی ہمارے ساتھ متفق ہیں اور انڈین نیشنل کانگرس کے خلاف ہیں"۔[1] اس طرح بھی ہندوستان کی تمام اقوام پر مشتمل ایسوسی ایشن کو خاص مسلمانوں کی تنظیم ہونے کا تاثر دیا گیا۔

ردِ عمل کے طور پر دوسرا فریق بھی سرگرم عمل ہوا۔ اور اس نے ان کاوشوں کی مدافعتی تدابیر کے طور پر مذہبی فتاویٰ کا سہارا لیا۔ سرسید اور ان کے معتقدین عامۃ المسلمین کے عقائد سے اختلاف کی بنا پر "نیچری" مشہور تھے۔ سرسید ملائکہ، شیطان اور اجنہ کے وجود کے قائل نہیں تھے۔ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بن باپ پیدا ہونے پر یقین نہیں رکھتے تھے اور انبیا کرام کے منسوب معجزات سے انکاری تھے۔ بقول الطاف حسین حالی "حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اور تمام انبیاء سابقین کے قصوں میں جس قدر واقعات بظاہر خلاف قانون فطرت معلوم ہوتے ہیں جیسے ید بیضا، عصا کا اژدھا بن جانا۔ فرعون اور اس کے لشکر کا غرق ہونا۔ خدا کا موسیٰؑ سے کلام کرنا۔ پہاڑ پر تجلّی کا ہونا، گوسالہ سامری کا بولنا۔ ابر کا سایہ کرنا، من و سلویٰ کا اترنا یا عیسیٰؑ کا گہوارہ میں بولنا۔ خلق طیر، اندھوں اور کوڑیوں کو چنگا کرنا۔ مُردوں کو زندہ کرنا۔ مائدہ کا نزول وغیرہ وغیرہ۔ ان کی تفسیر میں جو کچھ سرسید نے لکھا ہے۔ وہ غالباً کسی مفسر نے نہیں لکھا"۔[2]

اپنی تفسیر القرآن میں سرسید نے آیات قرآنی کو ایسے معانی پہنائے جو ان کے بعض معروف دوستوں اور حامیوں کے لئے بھی ناقابلِ قبول تھے۔ یہاں تک کہ ان کی تعلیمی تحریک کے ایک عظیم ساتھی ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کو یہ کہنا پڑا کہ:۔

> "مجھ کو ان کے معتقدات یا سرہا تسلیم نہیں۔ سید احمد خان صاحب کی تفسیر ایک دوست کے پاس دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ میرے نزدیک وہ تفسیر دیوانِ حافظ کی ان شرح سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی جن کے مصنفین نے چونڈول سے کان گانٹھ کر سارے دیوان کو کتاب تصوف بنانا چاہا۔ جو معانی سید احمد خان صاحب نے منطوق آیات قرآنی سے اپنے پندار میں استنباط کئے (اور میرے نزدیک زبردستی مڑھے اور چپکائے)، قرآن کے

---

[1] مکتوبات سرسید حصہ دوم صہ ۴۰۶ [2] حیات جاوید، حصہ دوم صہ ۲۶۵

منزّل من اللہ ہونے سے انکار کرنا سہل ہے اور ان معانی کا ماننا مشکل ...... یہ وہ معانی ہیں جن کی طرف نہ خدا کا ذہن منتقل ہوا، نہ جبریلِ حاملِ وحی کا، نہ رسولِ خدا کا، نہ قرآن کے کاتب و مدوّن کا، نہ اصحاب کا، نہ تابعین کا، نہ جمہورِ مسلمین کا" [1]

سیاسی لوگ اپنے منصوبوں کو کامیاب بنانے کے لئے سوجھ بوجھ کے ساتھ ایسے طریق کار استعمال کرتے ہیں جو ان کے مقاصد میں معاون ثابت ہوں۔ مسلمانوں کی بھلائی کے نام پر کانگرس کے خلاف سرسید کی تحریک کے توڑ کے لئے انہوں نے اس انداز میں استفتا تیار کروائے کہ ان میں سرسید کے دینی افکار و کردار کا تذکرہ اور اس کے مقابلے میں حکومت سے حقوق و مراعات طلب کرنے والی جماعت کانگرس سے تعاون کا رنگ جھلکتا تھا۔ ملاحظہ فرمائیں:۔

"ایک جماعت قومی مسمّی بہ نیشنل کانگرس جو ہندو اور مسلمان وغیرہ سکنائے ہند کے واسطے رفع تکالیف و جلب منافع دنیاوی چند سال سے قائم ہوئی ہے اور ان کا اصل اصول یہ ہے کہ بحث انہی امور میں ہو جو کل جماعت ہائے ہند پر مؤثر ہوں اور ایسے امر کی بحث سے گریز کی جائے جو کسی ملت یا مذہب کو مضر ہو یا خلافِ سرکار ہو تو ایسی جماعت میں شریک ہونا درست ہے یا نہیں؟" [2]

سینکڑوں علماء نے ان استفتاء کے جواب میں مہریں کیں اور انہیں یک جا کر کے ایک رسالہ "نصرت الابرار" کے نام سے شائع کیا گیا۔ مولوی عبدالعزیز لدھیانوی نے لکھا کہ: "ہنود سے معاملہ کرنا و کانگرس میں شریک ہونا بشرطِ عدم نقصان جائز ہے لیکن سید احمد نیچری کی ایسوسی ایشن میں ملنا بالکل حرام ہے۔ [3] مولوی رشید احمد گنگوہی نے تحریر کیا کہ "سید احمد سے تعلق رکھنا نہیں چاہیئے اگرچہ وہ خیر خواہی قومی کا نام لیتا ہے یا واقع میں خیر خواہ ہو مگر اس کی شرکت مآل کار اسلام و مسلمان کو سمِ قاتل ہے۔ ایسا میٹھا زہر پلاتا ہے کہ آدمی ہرگز نہیں بچتا۔ پس اس کے شریک مت ہونا اور ہنود سے شرکت معاملہ کر لینا۔ اور اگر ہنود کی شرکت سے اور معاملہ سے بھی کوئی خلافِ شرع امر لازم آتا ہو یا مسلمانوں کی ذلت یا اہانت یا ترقی ہنود ہوتی ہو وہ کام بھی حرام ہے"۔ [4] مولوی محمود حسن مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند نے تحریر کیا کہ "ہنود سے معاملہ کرنے میں حکم شرعی یہ ہے کہ بشرطِ عدم مخالفت و مضرت دینی جائز ہے۔ علیٰ ہذا القیاس۔ فرقہ نیچریہ کے بارے میں جو کہ منکر نصوص قرآنی و احادیث نبوی و اجماعِ امت ہے۔ جو کچھ علمائے امت نے ارشاد فرمایا ہے وہ امر حق موافق کتاب و سنت ہے"۔ [5]

---

[1] موعظہ حسنہ ص ۱۷۵۔ [2] نصرت الابرار ص ۱۳ [3] ایضاً ص ۱۴/۱۵ [4] ایضاً ص ۱۸ [5] ایضاً ص ۱۹

اسی قسم کے ایک استفتاء کے جواب میں مولوی محمد عبدالحق مصنف تفسیر حقانی نے مہر تصدیق ثبت کی۔" [1]
مولوی احمد رضا خاں بریلوی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے ذمیوں کے احکام کا ذکر کرنے کے بعد لکھا۔

"ہنود زمانہ عندالتحقیق ان سب احکام کے مستحق ہیں بخصوصاً اس معاملہ میں انہیں شریک کرنا جس میں رفاہ عام و نفع انام وحفظ حقوق و مراعات مخلوق ہو کہ اس میں خاص الٰہی کا فائدہ نہیں بلکہ اپنا اور تمام اہل وطن کا نفع ہے جب کہ مسلمانوں کے اہل تدبیر ورائے منیر بہ نظر غامض و باریک بین و انجام شناس و وقت گزین خوب تنقیح تام کرلیں۔ کہ اس سے حالاً یا مآلاً اسلام و مسلمین پر کوئی عائد نہیں۔ یہ شرط کہ فقیر نے ذکر کی ضرور قابل لحاظ رہے۔ رہے حضرات نیچریہ ...... ہندو کی بات کھلی مخالف کی بات ہے کہ ہر جاہل سا جاہل اس کے کفر پر مطلع اور اسے اپنے مذہب سے جدا جانتا ہے۔ یہ حضرات کہ بظاہر کلمہ پڑھتے اور زبانی دعوی اسلام رکھتے بلکہ اپنے ہی آپ کو سچا پکا مسلمان وخیر خواہ مومنین و ایمان بتلاتے ہیں دام در سبزہ و مار آستین ہیں۔ ان کا زہر آکو د افسوں سیفہ بدبخت پر جلد چلتا اور انجام کار ہلاک کر دیتا ہے" [2]

انہی دنوں سرسید کانگریس کی مخالفت میں مہاراجہ بنارس کی زیر سرپرستی قائم ہونے والی ایک تنظیم "انڈین لائل ایسوسی ایشن" کے رکن بنے بلکہ راجہ شیو پرشاد نے انہیں اس کا آنریری سیکرٹری بھی مقرر کیا [3] مگر انہوں نے بعد میں اس بنا پر اپنا استعفیٰ پیش کر دیا کہ "میرے ہاتھ میں اس قدر کام ہیں کہ امکان سے خارج تھا کہ میں اسی نئی ایسوسی ایشن کے سیکرٹری ہونے کا بوجھ اٹھا سکتا" [4] اور پھر اپنی کثیر الاقوام پیڑیاٹک ایسوسی ایشن کے کام میں منہمک ہو گئے۔

مندرجہ بالا بحث سے انصاف پسند قارئین خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ آیا سرسید نے کانگریس کے خلاف اپنی تحریک خاص مسلمانوں کے مفاد کے پیش نظر جاری کی یا ان کا واحد مقصد انگریزی حکومت کی خیر خواہی اور وفاداری کے جذبات کو فروغ دے کر ان کی سلطنت کو استحکام بخشنا تھا۔ یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ سرسید ہندوستان میں انگریزوں کی حکومت دائمی طور پر قائم رہنے کی خواہش کا برملا اظہار کرتے تھے اور اسی تمنا کی بر آوری کے لئے اپنی زندگی وقف کئے رکھی۔ مگر ہمارے آج کے دانش ور حقائق کو چھپا کر اور ان کے بعض الفاظ کو فلسفیانہ معانی پہنا کر تاریخ کا حلیہ بگاڑ رہے ہیں۔ دراصل ہمارے ہاں تحقیقی مواد کا زبردست

---

[1] نصرت الابرار ص ۲۶ [2] ایضاً ص ۳۰، ۳۲ [3] مکاتیب سرسید احمد خان ص ۳ ، [4] ایضاً ص ۷

قحط اور تحقیقی مزاج کی شدید کمی ہے لہذا سادہ لوح عوام بہت جلد تطہیر ذہنی کا شکار ہو جاتے ہیں اور جب عالم یہ ہو کہ مصنفین، مقالہ نگاروں، نقادوں، صحافیوں اور اساتذہ کا ایک بہت بڑا گروہ دانستہ یا نادانستہ طور پر ایک مخصوص لابی کی اس مہم میں تن من دھن سے شریک ہو تو ابتدائے درس سے ہی اس پروپیگنڈے کے زیر اثر ماحول میں پرورش پانے والے غیر معمولی ذہین طلبہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ قارئین کے لئے بھی حقائق کو قبول کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔

کتابیات

۱۔ اسباب سرکشی ہندوستان (سید احمد) مطبوعہ مفصلائٹ پریس آگرہ۔ ۱۸۵۹ء

۲۔ حیات جاوید (الطاف حسین حالی) مطبوعہ نامی پریس کان پور۔ ۱۹۰۱ء

۳۔ دی پریذیڈنٹ سٹیٹ آف انڈین پالیٹکس مطبوعہ پایونیر پریس الہ آباد ۱۸۸۸ء

۴۔ دی لائف اینڈ ورک آف سرسید احمد خان (جی گراہم) مطبوعہ ہوڈر اینڈ سٹیفنٹن لندن ۱۹۰۹ء

۵۔ رائٹنگز اینڈ سپیچز آف سرسید احمد خان مطبوعہ نیچیکیٹا پبلی کیشنز بمبئی ۱۹۷۲ء

۶۔ سرسید احمد خان۔ سیاسی مطالعہ (عتیق صدیقی) مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۷ء

۷۔ مکاتیب سرسید احمد خان۔ مطبوعہ یونین پرنٹنگ پریس دہلی ۱۹۶۶ء

۸۔ مکتوبات سرسید، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۵۹ء

۹۔ مکتوبات سرسید جلد دوم، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۶ء

۱۰۔ مکمل مجموعہ لیکچرز و اسپیچز سرسید مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور ۱۹۰۰ء

۱۱۔ موعظہ حسنہ (ڈپٹی نذیر احمد دہلوی) مطبوعہ مطبع انصاری دہلی ۱۸۹۰ء

۱۲۔ نصرۃ الابرار (مولوی عبدالعزیز لدھیانوی) مطبوعہ مطبع صحافی لاہور ۱۸۸۸ء

موتمر المصنفین دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

اسلام کا نظام کسب و مال اور رشوت و رزق حلال

مصنف: مولانا عبدالقیوم حقانی